© rasailojaraid.com

جناب غلام محمد کھچی

اسلامی درس گاہیں

اسلام میں مدارس کا آغاز مساجد سے ہوا ہے۔ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملحق وہ مشہور چبوترہ تھا جو تاریخ میں "صفہ" کے نام سے موسوم ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے یہاں جو حضرات فروکش ہوتے تھے وہ اصحابِ صفہ کہلاتے تھے۔ ان کی تعلیم کے لیے معلم مقرر تھے۔ اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے جب کہیں مبلغ بھیجنا ہوتا تو یہی لوگ بھیجے جاتے تھے[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تعلیم و تدریس کی جو اہمیت تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ مسجدِ نبوی میں تشریف لائے تو آپؐ نے وہاں صحابہ کرامؓ کے دو حلقے دیکھے۔ ایک حلقے میں لوگ تلاوت و دعا میں مشغول تھے اور دوسرے حلقے میں قرآنِ مجید کے درس کا سلسلہ جاری تھا۔ آپ نے فرمایا: انما بعثت معلماً۔[2] (میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں)۔ یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ مجید کے حلقہ درس میں تشریف فرما ہوگئے۔

چوتھی صدی ہجری تک تعلیم و تدریس کا کام اسی طرح مساجد سے لیا جاتا رہا۔ اس زمانے میں مساجد کے پہلو بہ پہلو مدارس و مکاتب کے قیام کا مذاق عام تھا۔ اس نے ایسا قبول عام حاصل کیا کہ اب تک کم و بیش یہ سلسلہ ہر اسلامی ملک کی مسجدوں میں جاری ہے۔

موجودہ شکل کے باقاعدہ مدارس کا آغاز اسلام کی تاریخ میں پانچویں صدی ہجری سے ہوتا ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ دنیائے اسلام میں پہلا مدرسہ نظام الملک طوسی (وفات ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء) نے بغداد میں مدرسہ نظامیہ کے نام سے قائم کیا تھا، یہ صحیح نہیں ہے۔ درحقیقت قدرت کی جانب سے اس اولیت کا شرف افغانستان کے نامور فرماں روا سلطان محمود غزنوی (وفات ۴۲۱ھ/۱۰۳۰ء) کے لیے مقدر تھا۔[3] چنانچہ

---

[1] شبلی نعمانی: "سیرۃ النبی" جلد ۱، ص ۲۱۵، طبع اول - نامی پریس کان پور [2] سنن ابن ماجہ باب فضل العلما

[3] البدایہ والنہایہ، جلد ۱۲، ص ۲۲ - مطبعۃ السعادہ (تاریخ ابن کثیر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۱۰ھ/۱۹-۱۰۱۹ء میں سلطان محمود غزنوی نے اپنے پایۂ تخت غزنی میں ایک جامع مسجد تعمیر کی جو اپنی نفاست اور خوب صورتی کے لحاظ سے "عروسِ فلک" کے نام سے مشہور ہوئی۔ مسجد کے ساتھ سلطان نے مدرسے کی عمارت بھی تعمیر کرائی تھی۔ مدرسے کے ساتھ کتب خانہ بھی تھا جو نادر الوجود کتابوں سے معمور تھا۔ مسجد اور اخراجات کے لیے سلطان نے بہت سے دیہات وقف کر دیے تھے۔ ابوالقاسم کا بیان ہے:

در جوارِ مسجد مدرسہ بنا نہادہ و بنفائس کتب و غرائب نسخ موشح گردانیدہ۔ دیہات بسیار بر مسجد و مدرسہ وقف فرمود[۵۴]

مسجد کے قریب مدرسہ قائم کیا، مدرسے کے کتب خانے میں عمدہ اور کم یاب کتابیں جمع کیں، مسجد اور مدرسے کے اخراجات کے لیے بہت سے دیہات وقف کر دیے۔

سلطان کی اس مثال سے امرا اور ارکانِ دولت میں بھی مدارس قائم کرنے کا شوق پیدا ہوا، اور تھوڑے ہی عرصے میں غزنی کے اطراف و جوانب میں بے شمار مدرسے قائم ہو گئے۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ:

بمقتضائے الناس علیٰ دینِ ملوکہم ہر یکے از امرا و اعیانِ دولت بر بنائے مسجد و مدارس و رباطات و خوانق مبادرت نمودند[۵۵]

بادشاہ کی تقلید میں بفحوائے "الناس علیٰ دین ملوکہم" امرائے سلطنت مسجدیں، مدرسے، رباطیں اور خانقاہیں تعمیر کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے لگے۔

غزنی اس زمانے میں اپنی آبادی کی کثرت اور تمدنی ترقی میں عالمِ اسلام کے سب سے بڑے مرکز اور خلافتِ عباسیہ کے پایۂ تخت بغداد کا مقابلہ کرتا تھا۔ پوری دنیا سے اہلِ فضل و کمال، متبحر علما اور باکمال شعرا اس کی طرف کھنچے چلے آ رہے تھے۔

سلطان محمود غزنوی کے فرزند سلطان مسعود (۴۲۲ھ/۱۰۳۰ء - ۴۳۲ھ/۱۰۴۰ء) نے بھی اپنے نامور باپ کی روایات کو برقرار رکھا۔ چنانچہ اس نے اپنی حدودِ مملکت میں بکثرت مدارس قائم کیے۔ فرشتہ کا بیان ہے:

در اوائلِ سلطنت او در ممالکِ محروسہ چنداں مدارس و مساجد بنیاد نہاد کہ زبانِ بیان از تعداد آں عاجز و قاصر ست[۵۶]

---

۵۴ تاریخ فرشتہ جلد اول ص [illegible] مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۵۵ ایضاً ۵۶ ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے عہد حکومت کے شروع میں اس نے ممالک محروسہ میں اس قدر مدرسے اور مسجدیں بنوائیں کہ ان کی تعداد بیان کرنے سے زبان عاجز و قاصر ہے۔

اسلام، ہند میں

اسلام کی کرنیں اگرچہ ہندوستان کے ساحلی علاقوں اور پہاڑوں کے دامنوں پر پہلی صدی ہجری ہی میں پڑنے لگی تھیں۔ ہندوستان کے شمال مغرب میں سندھ اور پنجاب تک مسلمان فاتحانہ انداز سے داخل ہو چکے تھے۔ ہندوستان کے جنوبی علاقے مالابار وغیرہ میں عرب تاجر چھا گئے تھے۔ عرب و ہند قدیم ترین زمانے سے ایک دوسرے سے تجارتی اور تہذیبی روابط سے منسلک رہے ہیں۔ ابن حوقل جو چوتھی صدی ہجری کا مشہور سیاح ہے، اپنے چشم دید حالات بیان کرتا ہے کہ بالعموم مسجدوں میں علما اور فقہا کا ایک بڑا گروہ مقیم رہتا ہے۔ ان علما و فقہا سے استفادہ کرنے والوں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ جس مسجد میں بھی چلے جائیں، کھوے سے کھوا چھلتا نظر آئے گا۔[۵۷]

عرب تاجر بالعموم اہل علم اور اہل تصوف ہوتے تھے، بازاروں میں کاروبار کرتے، عوام سے ملتے، اپنی نیک اور سادہ زندگی کا عملی نمونہ پیش کرتے۔ لوگوں کی زندگی اور فکر و نظر بدل دیتے تھے۔ مشہور انگریز مصنف پروفیسر ڈبلیو آرنلڈ نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

ہندوستان کے مسلمانوں میں نو مسلموں اور ان کی اولاد کی تعداد زیادہ ہے جن کے تبدیلی مذہب میں جبر و تشدد کا ذرا بھی شائبہ نہیں ہے۔ اس تبلیغ میں صوفیا کی ترغیب کا اثر ہی کارفرما رہا ہے[۵۸]

ہند میں دینی درس گاہیں

وسط ہند میں مسلمانوں کی مستقل حکومت کا قیام ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں قطب الدین ایبک کے عہد (۶۰۲ھ/۱۲۰۵ء — ۶۰۶ھ/۱۲۰۹ء) سے شروع ہوتا ہے۔ ملتان میں ناصر الدین قباچہ نے جو وہاں کا حکمران تھا، ایک مدرسہ تعمیر کرایا۔ مشہور عالم و مصنف قاضی منہاج سراج (وفات ۶۵۸ھ/۱۲۵۹ء) کا بیان ہے کہ اس مدرسے کا انتظام و انصرام ان کے سپرد تھا۔ فرماتے ہیں:

---

۵۷ سفر نامہ ابن حوقل، ص ۳۲۵ — مطبوعہ لائیڈن

۵۸ پریچنگ آف اسلام، ص ۲۵۴ — مطبوعہ لاہور ۱۹۵۶ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دریں سال یعنی اربع وعشرین وستمائۃ در ماہ ذی الحجہ مدرسہ فیروزی اچھ حوالہ این داعی شد[۹]

ذی الحجہ ۶۲۴ھ میں 'اُچ' کا مدرسہ 'فیروزی' میرے سپرد کردیا گیا۔

شیخ بہاءالدین زکریا (۵۷۸ھ/۱۱۸۲ء — ۶۶۶ھ/۱۲۶۷ء) کا یہ ابتدائی زمانہ تھا۔ وہ روزانہ فجر کی نماز اس مدرسے میں پڑھتے تھے۔ اس دور کی دو اور درس گاہوں کا ذکر ملتا ہے، جن کے نام "مدرسہ مغربیہ" اور "مدرسہ ناصریہ" تھے۔

قباچہ نے مولانا قطب الدین کاشانی کے ماوراء النہر سے ملتان آنے کے موقع پر ایک اور درس گاہ قائم کی تھی، جس میں مولانا کاشانی مدتوں تعلیم و تدریس میں مشغول رہے[۱۰]

ہند میں دینی مدارس کا نقطۂ عروج

آٹھویں صدی ہجری تک ہندوستان میں اسلامی مدارس قائم کرنے کا رواج عام ہوگیا تھا۔ چنانچہ مقریزی کی روایت کے مطابق سلطان محمد تغلق (۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء — ۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء) کے عہد میں صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے قائم تھے۔ مدرسین کے لیے خزانہ شاہی سے تنخواہیں مقرر تھیں۔ تعلیم اس قدر عام تھی کہ کنیزیں تک قرآن مجید کی حافظ اور عالم ہوتی تھیں۔ مدارس میں علوم دینیہ کے ساتھ معقولات اور ریاضی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ خود محمد تغلق بہت بڑا فاضل اور علم دوست بادشاہ تھا۔ ہدایہ کی چاروں جلدیں سلطان کے برنوک زبان تھیں[۱۱]

محمد تغلق کے جانشین فیروز تغلق (۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء — ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء) نے جس شان کے مدارس تعمیر کرائے اس کا اندازہ ضیا برنی کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے کہ دہلی کا مدرسہ فیروز شاہی اپنی شوکت، خوبی، محل وقوع، حسن انتظام اور تعلیم کی عمدگی کے لحاظ سے اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ مصارف کے لیے شاہی وظائف مقرر ہیں۔ مدرسے کی عمارت بہت وسیع ہے۔ ہر وقت سیکڑوں طلبا اور علما و فضلا یہاں موجود رہتے ہیں۔ باغات ہیں، فرش سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں۔[۱۲]

فیروز شاہ نے نہ صرف نئے مدارس قائم کرائے بلکہ پرانے مدارس کی بھی تجدید کی اور ان کے لیے بڑی

۹۔ طبقات ناصری، ص ۱۴۴ مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۰۔ تاریخ فرشتہ، جلد دوم، ص ۴۰۸

۱۱۔ علامہ مقریزی: کتاب الخطط۔ جلد دوم، ص ۱۳۴ ۱۲۔ تاریخ فیروز شاہی، ص ۵۵۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑی جاگیرادیں وقف کر دیں۔[۱۳] اس نیک دل بادشاہ نے غلاموں اور ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت پر بھی خاصی توجہ دی۔ غلاموں کو حفظ قرآنِ مجید کے علاوہ دینی علوم کی تحصیل کا بھی موقع فراہم کیا جاتا تھا۔ ان کو صنعت و حرفت بھی سکھائی جاتی۔ شمس سراج عفیف کے بیان کے مطابق عہدِ فیروزی میں ۱۸۰۰۰ غلاموں نے علوم و فنون اور صنائع کی تعلیم حاصل کی۔[۱۴] فیروز شاہ نے لڑکیوں کی تعلیم کے بھی جداگانہ مدارس قائم کیے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ نے جنوبی ہند کے ایک مقام "ہنور" کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"یہاں عورتیں حافظِ قرآن مجید ہوتی ہیں۔ میں نے اس شہر میں لڑکیوں کے تیرہ مکاتب دیکھے"۔[۱۵]

گجرات کے فرماں روا سلطان محمد عادل شاہ (۸۹۵ھ/۱۴۸۹ء — ۹۱۶ھ/۱۵۱۰ء) نے اپنی حدودِ سلطنت میں مدارس قائم کیے اور حکومت نے ان کی سرپرستی کی۔ بستان السلاطین کے مصنف نے گجرات کے ایک مدرسے کے بارے لکھا ہے:

"شاگردان را سفرۂ آثار آش و نان بوقت بریانی و مزعفر و بوقت شام نان گندم و کھچڑی و فی اسم یک ہون و بدون این کتاب ہائے فارسی و عربی مدد نمائند"۔[۱۶]

طلبا کو آثار کے دسترخوان سے صبح کے وقت آش و نان اور بریانی و مزعفر اور شام کے وقت گیہوں کی روٹی اور کھچڑی دی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ ہر طالب کو ایک "ہون" دیا جاتا تھا اور فارسی اور عربی کی کتب بھی دی جاتی تھیں۔

سلاطین شرقیہ جون پور کے حکمران تھے، انھوں نے صدہا مدرسے تعمیر کرائے اور دنیا بھر سے علما و فضلا کو جمع کر کے ان کی عزت افزائی کی، ان کو گراں قدر جاگیریں دیں۔ جون پور میں اٹالہ مسجد کے ساتھ جو مدرسہ قائم ہوا تھا، اس کی عمارت اب تک موجود ہے۔ پاک و ہند کے مشہور اور بیدار مغز بادشاہ شیر شاہ سوری نے اس مسجد کے دارالعلوم میں زانوئے تلمذ تہ کیا تھا۔[۱۷]

اٹھارویں صدی کے اواخر میں جون پور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات میں شامل ہو گیا تھا۔ اس زمانے کے سرکاری کاغذات میں اس کی عظمت کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ "جون پور مسلمانوں کے علوم و

---

[۱۳] تاریخ فرشتہ، جلد اول، ص ۱۵۱ — [۱۴] شمس سراج عفیف: تاریخ فیروز شاہی، ص ۱۹۱، ۱۹۲۔

[۱۵] ترجمہ اردو سفرنامہ ابن بطوطہ، ص ۲۰۷۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی۔

[۱۶] بستان السلاطین، ص ۹۰، ۹۱ مطبوعہ ندوۃ المصنفین، دہلی — [۱۷] جون پور نامہ، ص ۳۴ و سیر المتاخرین، ص ۱۴۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فنون کا مرکز اور علما کا مرجع تھا، جس کو "شیراز ہند" کہا جاتا تھا۔ وہاں بہت سے مدرسے قائم تھے... محمد شاہ کے زمانے تک بیس[۱۸] مشہور مدرسے جون پور میں موجود تھے[۱۸]

سلطان سکندر لودھی نے اپنے عہد حکومت میں بکثرت سرائیں، مدرسے اور مسجدیں بنوائیں۔ ہندوؤں نے فارسی کی تعلیم اس کے عہد میں شروع کی[۱۹]

لکھنؤ میں شاہ پیر محمد نے مدتوں تک بزم تعلیم گرم رکھی، ان کے بعد اُن کے شاگرد ملا غلام محمد نقشبند نے اس مجلس کو اور زیادہ رونق دی۔ شاہ پیر محمد کا مدرسہ اور خانقاہ لکھنؤ میں دریائے گومتی کے کنارے "ٹیلہ پیر محمد" کے نام سے مشہور ہے[۲۰]

مغلیہ دور کی اسلامی درس گاہیں

بادشاہ ہمایوں اور اکبر کے عہد میں بھی مدارس کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ دہلی میں اکبر کی رضاعی ماں ماہم بیگم نے ایک مدرسہ جاری کیا۔ اس کا تاریخی نام "خیر المنازل" تھا۔ اس کے کھنڈر نئی دہلی میں پرانے قلعے کے نزدیک موجود ہیں۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے "اخبار الاخیار" میں اپنی تحصیلِ علم کے سلسلے میں لکھا ہے کہ انھوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایک دوسرے مدرسے کا رُخ کیا، جس کا نام انھوں نے "مدرسہ دہلی" لکھا ہے۔ آگے چل کر خود شیخ محدث کی مسندِ درس بھی اسی جگہ بچھی تھی[۲۱]

میر سید غلام علی آزاد رقم طراز ہیں کہ صوبہ اودھ اور صوبہ الہ آباد کا علاقہ پانچ پانچ، دس دس کوس کے فاصلے پر الگ الگ آبادی پر مشتمل ہے، یہ لوگ حکومت کے جاگیر دار ہیں۔ اس علاقے میں مدرسوں اور خانقاہوں کی کثرت ہے۔ مدرسین و معلمین اور طالبانِ علم کے لیے دروازے کھلے ہیں۔ اہلِ ثروت طالب علموں کی خدمت کو سعادت عظمیٰ سمجھتے ہیں۔ اسی لیے بادشاہ شاہ جہاں کہا کرتے تھے "پورب شیراز ماست"[۲۲]

شاہ جہاں کے عہد میں دہلی، لاہور، سیالکوٹ، احمد آباد اور جون پور علم و فن کے لحاظ سے ایسے مقامات تھے، جہاں ہندوستان کے علاوہ ہرات اور بدخشاں تک سے طالبان علم آتے تھے۔ سیالکوٹ میں ملا کمال کشمیری

۱۸۔ مسلمانوں کی قدیم اسلامی درس گاہیں، ص ۲۴ مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۔ تاریخ فرشتہ جلد اول، ص ۱۸۷

۲۰۔ حیاتِ شبلی، ص ۱۰ ۲۱۔ اخبار الاخیار، ص ۲۹۲ ۲۲۔ ماثر الکرام، جلد اول، ص ۲۲۰-۲۲۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی مسندِ درس قائم تھی۔ اسی بادشاہ کے دور میں مسجد فتح پوری اور مسجد اکبر آبادی تعمیر ہوئیں۔ مسجد فتح پوری کا مدرسہ اسی دَور کے "باقیات الصالحات" میں سے ہے۔ بد قسمتی سے مسجد اکبر آبادی حوادثِ روزگار کی نذر ہو چکی ہے۔ یہی وہ مسجد تھی جس میں شاہ عبد القادر دہلوی کا قیام رہا۔ مولانا محمد اسماعیل شہید اور مولانا فضل حق خیر آبادی نے اسی مسجد میں تحصیل علم کی تھی۔

۱۰۶۰ھ/۱۶۴۹ء میں شاہ جہان نے جامع مسجد کے قریب ایک عظیم الشان مدرسہ "دار البقا" تعمیر کرایا تھا۔ یہ مدرسہ تیرھویں صدی ہجری کے اوائل میں ختم ہو گیا تھا۔ مفتی صدر الدین آزردہ نے اپنے زمانے میں اسے دوبارہ زندہ کیا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی اس مدرسہ میں مقیم رہے ہیں[۲۳]۔ ۱۸۵۷ء میں جب جنگِ آزادی دم توڑ گئی تو انگریزی حکومت نے انتقاماً مفتی صاحب کی جائیداد ضبط کرلی اور مدرسہ دار البقا ختم ہو گیا۔

مغلوں کے دورِ حکومت میں اورنگ زیب عالم گیر (۱۰۶۸ھ/۱۶۵۷ء — ۱۱۱۸ھ/۱۷۰۶ء) کے عہد کی تعلیمی ترقیاں عام شہرت رکھتی ہیں۔ اورنگ زیب نے بڑے بڑے شہروں کے علاوہ دیہات و قصبات میں بھی مدارس جاری کیے۔ مدرسین کو جاگیریں دیں اور طلبا کے لیے وظائف مقرر کیے۔ لکھنؤ میں فرنگی محل کا دار العلوم مدرسہ نظامیہ اسی عہد کی یادگار ہے۔ ملّا نظام الدین کو ۱۱۰۵ھ میں اورنگ زیب نے ایک عظیم الشان مکان دیا تھا۔ یہ "فرنگی محل" کے نام سے مشہور تھا۔ اسی مدرسے کا دیا ہوا نصابِ تعلیم تین صدیوں سے پاک و ہند کے مدارسِ عربیہ میں پڑھایا جا رہا ہے اور اس نصاب کو "درس نظامی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے[۲۴]۔

دہلی میں غازی الدین خان فیروز جنگ اوّل نے ایک مدرسہ اجمیری دروازے کے قریب قائم کیا تھا۔ یہی مدرسہ بعد میں "دہلی کالج" کے نام سے مشہور ہوا۔ مولانا رشید الدین خان دہلوی اور مولانا مملوک علی نانوتوی اس کالج کے صدر المدرسین رہے ہیں[۲۵]۔

رام پور میں مدرسہ عالیہ قائم تھا جو اب تک موجود ہے۔ والیِ رام پور نواب فیض اللہ خان نے بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی کو بلا کر مدرس مقرر کیا تھا[۲۶]۔ عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان میں ہمارے قدیم فارسی مورخین

۲۳؎ سوانح قاسمی، ص ۲۹ - اور واقعات دار الحکومت دہلی، جلد دوم، ص ۱۴۳ ۲۴؎ مولانا عنایت اللہ فرنگی۔ تذکرہ علمائے فرنگی محل

۲۵؎ یہ مدرسہ ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء میں دہلی کالج میں تبدیل ہو گیا ۲۶؎ ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں، ص ۳۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے زیادہ تر بادشاہوں کی جنگوں اور سیاسی کارناموں کو بیان کیا ہے اور مسلمانوں کے تعلیمی کارناموں کا بہت کم ذکر ملتا ہے۔ سلاطین اور بزرگان کرام کی قبروں پر جو مقبرے تعمیر ہوئے تھے، ان کے ساتھ اردگرد بہت سے حجرے اور کمرے اس غرض کے لیے بنائے جاتے تھے کہ وہ مدرسوں کے کام آئیں۔ چنانچہ مقبرہ علاءالدین خلجی اور مقبرۂ ہمایوں وغیرہ اس وقت بھی دہلی، آگرہ، احمد آباد اور بیجاپور وغیرہ میں قائم ہیں۔ اُن کی ہیئت خود ان کی تاریخ کو بتا رہی ہے[۲۷]

حکومتوں کی سرپرستی کے علاوہ خود مسلمانوں کا ذوقِ علم جو انہیں آبا و اجداد سے وراثت میں ملا تھا، حکومتوں کے خزانے کا مرہونِ منت نہیں رہا ہے۔ ہماری قدیم تعلیمی درس گاہیں اپنے لیے مستقل عمارتوں کی محتاج نہ تھیں۔ مسجدوں، خانقاہوں اور علما و امرا کے مکانات سے لے کر میدانوں تک تعلیم و تعلم کی بزم آراستہ ہوتی تھی۔ عام طور پر نامور علما اپنے گھروں اور مسجدوں میں تعلیم دیتے تھے۔ علم کی اشاعت، تعلیم و تعلم، طلبا کی امداد و اعانت، کتابیں اور دوسری ضروریاتِ درس و تدریس کی فراہمی، مدارس کی تاسیس اور ان کے مصارف کے لیے جائیدادوں کا وقف کرنا، موجبِ خیر و برکت اور فلاحِ دارین کا باعث سمجھا جاتا تھا۔

عہدِ زوال میں درس گاہوں کی حالت

ہندوستان میں بارھویں صدی ہجری کا زمانہ بڑا پُر آشوب ہے۔ اسلامی سطوت و عظمت کو زوال آرہا تھا، تعلیمی سرگرمیاں بھی سرد پڑ رہی تھیں، تختِ دہلی پر محمد شاہ متمکن تھا، جو اپنے لاابالی پن اور کثرتِ مے نوشی کے سبب "رنگیلا بادشاہ" مشہور تھا۔ مگر بایں ہمہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا مدرسہ اس دور میں روشنی کا مینار تھا۔ واقعات دارالحکومت دہلی کے مصنف کا بیان ہے کہ "یہ مدرسہ کسی زمانے میں نہایت عالی شان اور خوب صورت تھا اور بڑا دارالعلوم سمجھا جاتا تھا[۲۸]۔

شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم کے زمانے میں یہ مدرسہ اسی جگہ پر تھا، جہاں اب ان حضرات کے مزارات ہیں یہ جگہ "مہندیوں" کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے زمانے میں جب طلبا کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی اور یہ جگہ ناکافی ہوگئی تو محمد شاہ نے مدرسہ کے لیے ایک بڑی حویلی عنایت کی۔ یہ جگہ کوچہ چیلان میں تھی۔" واقعات دارالحکومت دہلی" کے مصنف لکھتے ہیں: "غدر کے ہنگامے میں مدرسہ برباد ہوگیا۔ اب متفرق لوگوں کے مکانات اس جگہ بن گئے ہیں مگر محلہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسے کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے[۲۹]"۔ بہرحال اسلامی مدارس کے قیام کا سلسلہ آغازِ اسلام ہی سے شروع ہوگیا تھا۔

۲۷ھ ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں، ص ۱۰، ۱۱
۲۸ھ واقعات دارالحکومت دہلی، جلد دوم، ص ۱۰۳
۲۹ھ ایضاً

© rasailojaraid.com